پروفیسر محمد یحیٰ صبا
Professor, Department of Urdu, Kirorimal College, Delhi

تصوف کے شاعر: خواجہ میر دردؔ

ملخص

خواجہ میر دردؔ کو اردو میں صوفیانہ شاعری کا امام کہا جاتا ہے۔ دردؔ اور تصوف لازم و ملزوم بن کر رہ گئے ہیں۔ یقیناً دردؔ کے کلام میں تصوف کے مسائل اور صوفیانہ حسّیت کے حامل اشعار کی کثرت ہے لیکن انہیں محض ایک صوفی شاعر کہنا ان کی شاعری کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ دردؔ کی شاعری بنیادی طور پر عشقیہ شاعری ہے ان کا عشق مجازی بھی ہے، حقیقی بھی اور ایسا بھی جہاں عشق و مجاز کی سرحدیں باقی نہیں رہتیں لیکن ان تینوں طرح کے اشعار میں احساس کی صداقت واضح طور پر نظر آتی ہے۔ اسی لیے ان کے کلام میں تاثیر ہے جو صناعی کے شوقین شعراء کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ دردؔ نے خود کہا ہے ''فقیر نے کبھی شعر آورد سے موزوں نہیں کیا اور نہ کبھی اس میں مستغرق ہوا۔ کبھی کسی کی مدح نہیں کی نہ ہجو لکھی اور فرمائش سے شعر نہیں کہا۔ دردؔ کے عشق میں بیچینی نہیں بلکہ ایک طرح کی طمانیت قلب، سکون اور پاکیزگی ہے۔ دردؔ کے کلام میں عشق و عقل، جبر و اختیار، خلوت و انجمن، سفر در سفر، بے ثباتی و بے اعتباری، بقا اور فنا، مکان و لامکاں، وحدت و کثرت، جزو و کل توکل اور فقر کے مضامین کثرت سے ملتے ہیں۔ مجموعی طور پر دردؔ کی شاعری دل اور روح کو متاثر کرتی ہے۔ جذباتیت اور شاعرانہ استادی کا اظہار ان کا شعار نہیں، دردؔ موسیقی کے ماہر تھے۔ ان کے کلام میں بھی موسیقیت ہے۔ دردؔ بھی شعر کہتے تھے جب شعر خود کو ان کی زبان سے کہلوالے۔ اس لیے ان کا کلام بہت مختصر ہے۔

ماہیتوں کو روشن کرتا ہے نور تیر ۔۔۔ اعیاں ہیں مظاہر، ظہور تیرا
نہیں مذکور شایاں دردؔ ہرگز اپنی مجلس میں ۔۔۔ کبھو کچھ ذکر آیا بھی تو ابراہیم ادھم کا

کلیدی الفاظ:۔ درد، تصوف، صوفیانہ، عشق حقیقی، غزل اور رباعی

اٹھارہویں صدی (1720-1786) کی شاعری کی دیوار جن چار شعرا پر کھڑی

تھی ان کا کلام صوفیانہ ہے ان کے کلام میں پاکیزگی اور جذبات کے خلوص کی بہتات ہے اٹھارہویں صدی عیسوی کے تمام شعراء وادبأ اور تذکرہ نگاروں نے خواجہ میر درد کی بلیغ شعری خدمات کوفوقیت دی ہے۔خواجہ میر درد کا نام آتے ہی ہمارے ذہن میں ایک ایسی منفرد شخصیت ابھرتی ہےجس کے درمیان تقدس، پاکیزگی اور قادر سنجیدگی کا ایک زبردست ہالہ ہےاس شخصیت میں اتنا توکل صبر وضبط اور زندگی میں کچھ کر دکھانے کا حوصلہ تھا کہ وہ زہرہ گداز حالات سے بھی ہنستے کھلتے گزر گئے۔ درد کا شمار دوراول کے اردو شاعری کے چار ستونوں میں ہوتا ہے۔مرزا مظہر، سوؔدا، میؔراور دؔرد۔ دؔرد کی شاعرانہ صلاحیت اورصوفیانہ عظمت کا زمانہ معترف رہا ہے۔ان کے فکروفن کا ایک گوشہ ان کی شخصیت کے نور سے روشن ہےان کے کلام پر بحث کرتے ہوئے نئے اور پرانے نقادوں نے یکساں طور پران کے کلام کی قدر کی ہے۔امیر مینائی کوان کے کلام میں بسی ہوئی تجلیوں کا گمان ہوامحمد حسین آزاد کے مطابق میؔر درد نے اپنے کلام میں تلواروں کی آب بھر دی ہے۔

خواجہ مردؔرد اردو کے ان قابل احترام شاعروں میں ہیں جن کا کلام سائستگی ونفاست کیف واثر اورفنی رکھ رکھاؤ کے اعتبار سے ایک معیاری چیز ہے۔اردو کے عام شعراء کے برخلاف وہ ایک پیشہ ورشاعرنہیں تھے۔انشاء، مصحفؔی، جرأؔت اورشاہ نصیر کی طرح ان کے مجموعۂ کلام میں کوئی طویل غزل یادوغزلے اور سہ غزلےنہیں ملیں گے۔استادی اور کرتب دکھانے کے لیےانہوں نے سنگلاخ زمینوں میں طبع آزمائی کرنے یا الف سے لے کری تک تمام ردیفوں میں غزلیں کہنے کا التزام کبھی نہیں کیا۔ان کے لب ولہجے میں میر کی سادگی اورگھلاوٹ ہےلیکن ان کی شخصیت میں میؔر کی نسبت اعتدال اورتوازن ہے۔میؔر کے یہاں شکست خوردگی اورغموں کی شدید جلن ہے۔ان کی آواز میں کبھی کبھی آجاتی ہے لیکن خواجہ میر دؔرد نے غموں کو ہضم کر کے اسے گوارا بنالیا تھا ان کے یہاں ایک حسین سی کسک ہے جوہم پرخوش گوار اثر چھوڑتی ہے۔تصوف نے ان کے مزاج میں ترتیب وتہذیب پیدا کر دی تھی جس کی وجہ سے وہ ان شاعرانہ بےاعتدالیوں سے بچ گئے۔ جو میؔر کے کلیات کو ناہموار بنادیتی ہیں۔اور جن کی بناء پر''بلندیوں بغایت بلند اور بغایت پست'' کا فقرہ ان کے لیے وضع کیا گیا۔

اپنی صوفیانہ شاعری کے علاوہ خواجہ میر دؔرد اپنی عشقیہ شاعری میں بھی اردو کے غزل گوشعراء میں

منفرد ہیں۔ان کی اس حیثیت میں سوائے میرؔ کے ان کا اور کوئی حریف نہیں۔لیکن یہ عجیب بات ہے کہ عشقیہ شاعری کے سلسلے میں ان کا تذکرہ کبھی نہیں آیا جن شعراء نے عشق و محبت کے صرف مضمون باندھے ہیں۔ان کے اشعار کو طرح طرح کے معنی پہنانے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن جن شاعر کے عشقیہ اشعار تاثیر سے لبریز ہیں ان پر کسی کی نگاہ نہیں جاتی۔اردو کے عام غزل گو شعراء کے یہاں عشق و محبت کے مضامین بھرے پڑے ہیں۔لیکن ان کی حیثیت محض لطف بیان کی ہے۔ سچی چاہت اور اس کا کرب اور عشق کی شدید کیفیات سے ان کے اشعار خالی ہے۔اسی لیے قدیم تذکروں میں ان کے موضوع کو چھوڑ کر ان کے طرز بیان اور فنی خوبیوں کو مختصراً زیر بحث لایا گیا ہے۔ بعد میں جب ہمارے تذکرہ نگار و مورخ تفصیلات میں جانے لگے تو ہر شاعر کے ساتھ بعض باتیں منسوب کر دی گئیں مثلاً میر درد و غم کے شاعر ہیں اور خواجہ میر دردؔ تصوف و عرفان کے یہ روایت کچھ ایسی چلی کہ آنے والے لوگوں نے بھی اکثر و بیشتر انہیں بیانات کو جوں کا توں اپنا لیا ہے۔محمد حسین آزادؔ ''آب حیات'' میں خواجہ میر دردؔ کے تغزل کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''انہوں نے میر کی غزلوں پر جو غزلیں لکھی ہیں وہ میرؔ کسی طرح کم نہیں ہیں اور چھوٹی بحروں میں انہوں نے جو غزلیں لکھی ہیں ان میں تلوار کی آبداری اور نشتریت ہے،، لیکن ان کے عاشقانہ موضوعات کا تذکرہ نہیں کرتے بلکہ ان کے تصوف پر زور دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ''تصوف جیسا انہوں نے کہا اردو میں آج تک کسی سے نہیں ہوا'' دور حاضر کے تاریخ نگار بھی اس حد سے آگے نہیں بڑھتے موجودہ زمانے کی دو مقبول عام تاریخوں میں خواجہ میر دردؔ کے بارے میں یہی تصور ملتا ہے۔

ایک ناقد نے درد کو صوفیانہ شاعری کا سرتاج قرار دیا ہے غرض یہ کہ خواجہ میر دردؔ کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف سبھی نے کیا ہے ان کے کلام میں دل آویزی، بلند خیالی اثر انگیزی، سادگی، تقدس اور طہارت رچی بسی ہوا ہے۔ درد کی شاعری کا محور محبت ہے وہ محبت حقیقی بھی ہے اور مجازی بھی، ذات خداوندی وحدت الوجود، انسانی عظمت اور بقاء کے مضامین محبت حقیقی کے مظاہر ہیں۔ دردؔ کے کلام میں تحمل اور فکر جمیل کی وجہ سے دل کشی اور دل آویزی تو ہے ہی ان کے مخصوص انداز بیان کے کومل اور نرم لب و لہجے نے ان کے فن میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ بقول رام بابو سکسینہ تصوف میں ان سے بہتر کسی نے نہیں کہا۔عرفان و تصوف کے پیچیدہ اور دشوار گذار مضامین کو انھوں نے بڑی خوبصورتی اور صفائی سے باندھا اور پرویا ہے ان کی غزلوں میں زبان کی سادگی میرؔ کے کلام کی یاد دلاتی ہے۔لیکن

تصوف کی چاشنی اور درد واثر وکلام میر سے بڑھ کر ہے بلکہ یوں کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ یہی اوصاف درد کے کلام کا جوہر اعظم ہے۔ درد نے دنیاوی آلودگی سے دامن کو چھڑا کر اپنے کلام میں تصوف اور اخلاق کی چاشنی بھر دی ہے، جس کی وجہ سے ان کا کلام آسمان کی بلندی پر پرواز کر رہا ہے۔

تنقید کی دنیا میں بہت سی ایسی باتیں چل پڑتی ہیں اور زبان زد وخاص عوام ہو جاتی ہیں جن کا فی الحقیقت کوئی وجود نہیں ہوتا۔ یہ بات شعرا کے کلام پر لکھی گئی تنقیدوں کے بارے میں زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ بہت سی ایسی رائیں اور فیصلے اب اس طرح مستحکم ہو چکے ہیں کہ ان پر قلم اٹھانا یا ان کی مخالفت میں کچھ لکھنا ذرا مشکل ہی ہے۔ ایسی مانی ہوئی باتیں مثلاً میرؔ کے بہتر نشتر، دردؔ کا تصوف، غالبؔ کی فلسفیت فانی کی قنوطیت وغیرہ ہماری درسی اور تنقید کتابوں کا جز کا جز بن چکی ہیں پھر بھی توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری کے مصداق ہمارے عہد میں ایسی تنقیدی کوششیں کبھی کبھی ہوئیں جن میں اس طرح کے تنقیدی مفروضات کی چھان بین اور محاکمہ کر کے ان کی تردید بھی کی گئی۔

خواجہ میر دردؔ کا دور افراتفری اضطراب اور کشمکش، شور و ہنگامہ کا دور تھا۔ ایسے توڑ پھوڑ اور شکست وریخت کا اثر ان کی شاعری سے چھلکتا ہوا نظر آتا ہے ان کے یہاں صبر واستقلال توکل و استغنا موجود ہے تصوف ان کو ورثے میں ملا تھا۔ ہستی تصوف کو انھوں نے اپنی زندگی کا مقصد بنالیا انھوں نے اس دنیا کی بے ثباتی اور کم مایگی کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس دنیا کی حقیقت ''نقش بر آب سے زیادہ نہیں'' اسی طرح ان کے خیال سے متعلق شاعر مشرق علامہ اقبال کا ایک شعر ہے ۔

اول وآخر فنا باطن وظاہر فنا　　　نقش کہن ہو تو ہے منزل آخر فنا

اس کے ساتھ ہی دردؔ نے انسانیت کے درد وکرب کو محسوس کرتے ہوئے کائنات کے ہر ذرے کے غم کو اپنایا ہے۔ مثال ملاحظہ فرمائیں۔ جس میں شکست دل کی آواز سنائی دیتی ہے ۔

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا　　　کہ نہ ملنے میں رو دیا ہوگا
دل زمانہ کے ہاتھ سے سالم　　　کوئی ہوگا کہ رہ گیا ہوگا

اتنا ہی نہیں کہ شاعر نے ایسی زندگی کو ہیچ زندگی سے مشابہت دی ہے کہ یہاں پر انسان سوائے تہمت والزام کے کچھ حاصل نہیں کرسکتا ہے یہ گلزار ہستی فکر وفریب کا خوش نما وخوبصورت جال ہوگا جہاں انسان ہمیشہ فریب پیہم میں مبتلا رہتا ہے۔ شعر ملاحظہ فرمائیں۔

تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے　　　کس لیے آئے تھے ہم کیا کر چلے
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے　　　ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

خواجہ میر درد کو صوفیانہ شاعری کا سرتاج کہا جاتا ہے عرفان وتصوف کی وجہ سے ان کے کلام میں تقدس و پاکیزگی کی صفات پیدا ہوگی ہے تصوف ان کے رگ وپئے میں رچ بس گیا ہے ان کے عمل اور ان کے شعریات میں صوفیانہ رنگ سرایت کر گیا تھا انہوں نے کائنات کے ذرے ذرے میں باری تعالیٰ کا وجود پایا اور اسے شعر میں پیش کر دیا۔

جگ میں آ کر ادھر ادھر دیکھا　　　تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

اتنا ہی نہیں شاعر نے دیر وحرم شیخ و برہمن سب کو خالق مطلق کے لو۔ سے روشن پایا اور انسان کے جان ودل کو کثرت میں وحدت کا واحد مسکن تصور کیا ہے انسان کے دل کے علاوہ ارض و سما میں بھی ایسی وسعت نہیں جہاں ذات باری کی قدرت اور وحدت ایک ساتھ ایک آسمان تلے انسانوں کے ایک بیکراں سمندر میں جس کی گہرائی کا اندارہ لگانا دشوار ہے بڑے آرام سے جلوہ فگن ہے ان کے اشعار جس کا ایک ایک لفظ ذات باری کے اوصاف اور انسانی عظمت کی گواہی دیتا ہے۔

ارض وسماء کہاں تیری وسعت کو پا سکے　　　میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

کبھی کبھی میر درد مجاز کی طرف بھی رجوع کرتے ہیں لیکن یہاں بھی ان کی رجعت حقیقت ہی کی طرف ہے۔ جہاں انہوں نے مجازی عشق کا تصور پیش کیا ہے وہاں بھی ان کا معشوق حقیقی ہی ہے۔ اسی پاکیزہ نیت اور معتبر مقصد کی وجہ سے ان کا کلام اعلیٰ مرتبت ہو گیا ہے۔

درد نے اس طرح عشق حقیقی تصوف اور روحانیات کی چاشنی سے اپنے کلام میں چار چاند لگا دیئے ہیں درج ذیل شعر کو دیکھیے۔

مسکرایا خوشی سے وہ جس دم　　　باغ میں کب کھلی کلی ایسی
جب نظر سے بہار گزرے ہے　　　جی پہ رفتار یار گزرے ہے

درد کے کلام میں صوفیانہ رنگ زیادہ غالب ہے اس لیے ان کی شاعری میں صوفیانہ فکر کی جھلک عام ملتی ہے۔ درد کی غزلوں میں منفرد الفاظ کا موزوں ترین استعمال ملتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ حسن ورنگ اور خوشبو سے غزل کی فضا میں جادو جگا رہا ہے بیشتر اشعار میں غنائی آہنگ

کی لہر دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔تشبیہات اور استعارات کے استعمال میں درد کا احساس جمال بہت صاف ستھرا اور نکھرا ہوا نظر آتا ہے ان تشبیہوں میں گرمیِ عشق روشنی خلوص اور غموں کی دھیمی آنچ ہے اسی نے شعلہ وشبنم کی کیفیت پیدا کردی ہے۔

خواجہ میر درد نے چھوٹی بحروں اور مترنم الفاظ کے استعمال سے آرٹ کی بلندیوں کو چھولیا ہے۔اسی لیے محمد حسین آزاد نے کہا تھا کہ خصوصاً چھوٹی بحروں میں جو غزلیں لکھتے ہیں گویا تلواروں کی آبداری نشتروں میں بھردیتے ہیں۔

انھوں نے غزلوں کا ایک مختصر سا دیوان چھوڑا ہے مگر معیار کے اعتبار سے بڑے بڑے دیوانوں پر بھاری ہے۔وہ درویش مزاج انسان تھے اور صوفی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔اسی کا اثر ہے کہ ان کا صوفیانہ کلام خود ان کے دل کی واردات ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں بے پناہ اثر ہے۔بعض لوگوں نے ان کی شاعری میں موجود سلاست اور سادگی کو میرؔ پر فوقیت دی ہے۔چھوٹی بحر کی غزلوں میں موجود آسان اور عام فہم الفاظ ان کی شاعری کا سرمایہ ہیں۔نمونے کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

رات مجلس میں ترے حسن کے شعلے کے حضور شمع کے منہ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

عہد میر کے شعراء میں خواجہ میر دردؔ کا بھی اعلیٰ مرتبہ ہے ان کے مطابق عشق کے ذریعہ حقیقت مطلق تک رسائی حاصل ہوسکتی ہے ان کے لیے تمام کائنات آئینہ وحدت ہے یعنی وہ تصوف کے منطق اور وحدۃ الوجود کے معتقد ہیں اور اسی کے عرفان سے ان کے یہاں انسانی عظمت کے چراغ روشن ہوتے ہیں۔

''انسان کا تصور بھی درد کے یہاں اتنا بلند ہے اور اس میں الوہیت کی وہ شان ہے کہ انسان کی یہ تصویر ان کے علاوہ اور کسی اردو شاعر کے یہاں نظر نہیں آتی''

اسی رنگ میں ڈوبے ان کے اشعار دل میں تصوف کا جذبہ پیدا کرتے ہیں وہ انسان کے اندر بھی مالک حقیقی کا دیدار کراتے ہیں۔یہاں تک کہ بتوں میں بھی انھیں اپنے مالک حقیقی کا ہی تصور نظر آتا ہے ؎

بیگانہ گر نظر پڑے تو آشنا کو دیکھ بندہ گر آوے سامنے تو بھی خدا کو دیکھ

UGC Care Listed International Peer Reviewed Refereed Journal. ISSN:2582-1229/E-ISSN:2582-9157

دردؔ نے تصوف کے مختلف مسائل اور کیفیات کو غزل کی پیرائے میں پیش کیا ہے۔اسی انداز نے ان کے یہاں غم کی تلخی کو کم کر کے اس کے اندر سرور پیدا کر دیا ہے۔مثلاً

اس نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں پا تا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں

درد کی غزلوں میں وہ مجازی کیفیات اور عشق کی ترجمانی نام کو بھی نہیں ہے۔وہ تو عشق حقیقی کے شاعر ہیں لیکن اس عشق حقیقی کی متنوع کیفیات کو جس انداز میں انھوں نے محسوس کیا ہے اور پھر جس طرح اس کی ترجمانی کی ہے وہ اردو غزل کی روایت میں ایک بہت بڑا اضافہ ہے۔دردؔ تصوف کے شاعر ہیں اور تصوف مسائل کو پیش کرتے ہوئے وہ زندگی کی فضاوں میں اتنا اونچا اڑتے ہیں کہ اپنے آپ کو کہیں کہیں نظروں سے اوجھل کر دیتے ہیں اس لیے ایک قسم کی ماورائیت بھی ان کے یہاں پیدا ہو گئی ہے لیکن ان کے اس انداز میں ایک رفعت اور بلندی کا احساس ضرور ہوتا ہے۔درد کی غزلوں میں سارا کھیل تخیل کا ہے اور تخیل کی بلند پروازی نے ایک ایسی رنگین اور پرکار فضا ان کی غزلوں میں پیدا کر دی ہے جو بڑی دلکش اور دلآویز ہے اسی فضا نے درد کی غزل کو ایک حسین نگارخانہ بنا دیا ہے جذباتی خیالات کا ایسا حسین مرقع اردو شاعری میں اور کہیں نہیں مل سکتا ہے اصغر کی غزلیں انھیں مرقعوں کا ایک مجموعہ ہیں درد کے یہاں موضوعات کا تنوع نہیں ہے صرف تصوف کی کیفیات ہیں جو کہیں فلسفے کی حدود میں داخل ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں لیکن ان کی تخیل پرستی اور روحانیت انہیں فلسفی نہیں بننے دیتی اس لیے یہاں موضوع کی یکسانیت ضروری ہے لیکن تخیل کی نگوں کاری نے اس کمیابی کو ایسا حسین بنا دیا ہے کہ ان کی شاعری ایک چمنستان نظر آتی ہے۔

''فلسفہ اور تصوف درد کی شاعری میں بڑی رچی ہوئی صورت میں موجود ہے درد نے اپنی غزلوں میں صرف تصوف کے روایتی تصور کو پیش نظر نہیں رکھا ہے انھوں نے اس سلسلہ میں نئی باتیں بھی کی ہیں۔درد نے تصوف کے تمام مسائل کو موضوع بنا دیا ہے لیکن ان مسائل کو انھوں نے نئے زاویۂ نظر ان کے مسائل کو صرف تصوف کو بڑی اہمیت دیتی ہے اس معرفت کا حاصل کرنا زندگی کی معراج ہے اور یہ معراج اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب فرد کے پاس نصف العلین ہو۔فرد اور اس کے اعمال درد کے تغزل میں بہت اہمیت رکھتے ہیں درد نے اس فرد کا بہت بلند تصور پیش کیا ہے۔

''دردتو تصوف میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں اور ان کا مخصوص موضوع حیات کائنات

کے مسائل ہیں جن پر ان کی نظر بہت گہری پڑتی ہے لیکن انسانی حسن اور اس کی اہمیت کا احساس اس کے باوجود ان کے یہاں بہت شدید نظر آتا ہے۔اس سے ایک والہانہ وابستگی اور پھر اس سلسلے میں جو تنوع کیفیات طاری ہوسکتی ہے اور ان سب کی ترجمانی انھوں نے بڑی خوبی سے کی ہے‘ یہ بھی درد کی بڑائی ہے کہ انھوں نے تصوف کو تصوف ہی رہنے دیا ہے اسے فلسفہ نہیں بنایا ہے یہی وجہ ہے کہ ذاتی شعور ان کی غزلوں میں نہیں ملتا ہے وہ تو جذب وشوق کے شاعر ہیں اور اسی جذب وشوق نے ان کی غزلوں کو آسمان پر پہنچا دیا ہے ان غزلوں نے آسمان سے ستارے توڑے ہیں اور ان ستاروں سے غزل کی روایت کی محفل کو سجایا ہے۔

یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ برق، آتش، خورشید، شعلہ وغیرہ اردو فارسی شاعری کے عام الفاظ ہیں۔کیا درؔد اور غالبؔ کے یہاں ان کا استعمال رسمی نہیں قرار دیا جاسکتا؟ میں کہوں گا کہ شعر کا لہجہ اور اٹھان ہی بتا دیتی ہے کہ یہ رسمی اور روایتی ہے یا اصلی اور ذاتی۔اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ غالبؔ اور درؔد کے یہاں اکثر وبیشتر جس کیفیت کا اظہار آتش اور خورشید اور شعلہ جیسے الفاظ سے کیا گیا ہے اس کے اظہار کے لیے اور بھی بہت سے روایتی اسالیب بیان اور استعارے موجود ہیں۔پھر کیا وجہ ہے کہ دونوں نے بار بار انہیں کا انتخاب کیا ہے؟ زیادہ تر اشعار میں یہ صورت اور پیکر لائے گئے ہیں بلکہ آئے ہوئے، معلوم ہوتے ہیں اور کسی شدید جبلی ترجیح Instinctive Preference کی طرف اشارہ کرتے ہیں ورنہ چھوٹے سے دیوان میں ان کی مسلسل تکرار کیا معنی رکھتی ہے؟ اور یہ پیکر کسی اور بڑے شاعر مثلاً میر کے کلام میں اس کثرت سے کیوں نہیں پائے جاتے؟ میں سمجھتا ہوں کہ درؔد اور غالبؔ دونوں کے تخیل میں جو علویت اور مزاج میں جو سوز دبے چینی کی خلش تھی۔اس نے غیر شعوری طور پر خود کو ان استعاروں کے انتخاب کی صورت میں ظاہر کیا۔ان دو بڑے شعراء کی مزاجی ہم آہنگی کی طرف اس سے زیادہ واضح اور روشن اشارہ کیا ہوسکتا ہے۔

مرزا غالبؔ اور میر درؔد دونوں کی ذہنی ساخت کو ہم مجموعی طور پر عملی رومانیت Intellectual Romanticism کا نام دے سکتے ہیں کہ جب ہم اردو شعراء کی جگہیں متعین کریں تو درؔد کو غالبؔ اور اقبال کی ضمن میں رکھیں، میر اور آتش کے ساتھ نہیں۔اس تقسیم سے نہ درؔد کی شاعرانہ حیثیت میں کوئی اضافہ ہوتا ہے نہ آتش کی اہمیت میں کوئی تخفیف یہ تقسیمیں سمجھنے اور

سمجھانے کی آسانی کے لیے ہیں، بڑے اور چھوٹے کی تخصیص کے لیے نہیں۔

میر دردؔ کی زبان وہی ہے جو میرؔ وسوداؔ کی زبان ہے۔ جیسے میرؔ وسوداؔ کی زبان کے بہت سے الفاظ آج متروک ہو گئے یا بدل گئے، وہی صورت دردؔ کی زبان کے ساتھ ہے، مثلاً دردؔ کے ہاں کبھو، تئیں، ٹک نت ہیں گے، تجھ، سوا، ان نے دیکھوں ہوں، انہوں کی، ہوجیو، لے ڈوبیاں، پائیاں ہیں وغیرہ الفاظ اور فعل وضمیر ملتے ہیں، ان چند بدلی ہوئی یا متروک صورتوں میں کے علاوہ میر دردؔ کی زبان ویسی ہی صاف وشستہ زبان ہے جو آج بولی جاتی ہے دردؔ نے محاورہ وروزمرہ کا استعمال کثرت سے کیا ہے لیکن انہوں نے میرؔ کی طرح خالص عوام کی زبان کو استعمال نہیں کیا بلکہ ایسے الفاظ اور محاورے روزمرہ استعمال کیے جو عوام وخواص میں یکساں طور پر رائج تھے۔ اسی لیے ان کی زبان یکساں وہموار ہے۔

میر دردؔ نے بہت کم کلام چھوڑا ہے اور وہ بھی کم وبیش تمام تر صنف غزل میں ہے۔ دوسری صنف جس میں ان کا کلام ملتا ہے رباعی ہے۔ اور جن کی مجموعی تعداد 72 ہے۔ رباعی میں ان کی فکر زیادہ واضح اور مربوط انداز میں ابھری ہے۔ وہ غزل کی طرح رباعی کے بھی ایک اہم شاعر ہیں۔ اتنے کم کلام کے باوجود ان کا نام میرؔ وسوداؔ کے ساتھ اس لیے لیا جاتا ہے کہ انہوں نے اردو شاعری کی روایت کو آگے بڑھانے میں وہی کام کیا ہے۔ جو میرؔ وسوداؔ نے کیا۔ دردؔ جہاں ''طریق محمدیؐ'' کے ''اول الحمدمین'' ہیں وہاں میرؔ وسوداؔ کی طرح اردو زبان کے بھی، کلام سے، ہیں۔ اپنے کلام کی ضخامت کے باوجود قائمؔ، سوزؔ وغیرہ اس درجے پر نہیں آتے۔

☆☆☆